© rasailojaraid.com

۹۱۷۔ الفرغانی[1]، عمر بن ابی الحسین، ابو محمد المرغینانی (م ۵۵۶ھ) ص ۳۶۰

۹۱۸۔ ابن الفرّاء، ابراہیم بن علی بن ابراہیم بن علی بن محفوظ السلمی، الآمدی (م ۵۷۵ھ) ص ۳۶۰

۹۱۹۔ الفُراتی یعیش بن صدقۃ بن علی، ابو القاسم (م ۵۹۳ھ) ص ۳۶۰

۹۲۰۔ ابن فضلان، یحییٰ بن علی بن الفضل، ابو القاسم البغدادی (م ۵۹۵ھ) ص ۳۶۱

۹۲۱۔ ابو عبد اللہ محمد، محی الدین (م ۶۳۱ھ) ص ۳۶۱ [ولد ابن فضلان]

۹۲۲۔ عبد الرحیم بن محمد بن محمد بن یاسین، ابو الرضی (۵۶۸۔ ۶۳۰ھ) ص ۳۶۲ [سبط ابن فضلان]

۹۲۳۔ القاضی الفاضل، عبد الرحیم بن القاضی الاشرف ابی الحسن علی بن الحسن ابو علی اللخمی، محی الدین (۵۲۹۔ ۵۹۶ھ) ص ۳۶۲

۹۲۴۔ الفارسی، عبد السلام بن محمود بن محمد ظہیر الدین (م ۵۹۶ھ) ص ۳۶۴

۹۲۵۔ الفارقی، علی بن علی بن سعادۃ ابو الحسن (م ۶۰۲ھ) ص ۳۶۴

۹۲۶۔ الفارسی محمد بن ابراہیم بن احمد، ابو عبد اللہ الشیرازی، فخر الدین۔ (م ۶۲۲ھ) ص ۳۶۵

۹۲۷۔ الفارقی، عمر بن اسماعیل بن مسعود، رشید الدین، ابو حفص الربعی (۵۹۸۔ ۶۸۹ھ) ص ۳۶۵

۹۲۸۔ الفرکاح[2]، عبد الرحمن بن ابراہیم بن سباع، ابو محمد تاج الدین، الفزاری الدمشقی (۶۲۴۔ ۶۹۰ھ) ص ۳۶۶

---

[1] فرغانۃ کی طرف نسبت ہے۔ ماوراء النہر میں ایک بڑا شہر ہے (معجم ۴/۲۵۳)

[2] قال الاسنوی: المعروف بالفرکاح لاعوجاج فی رجلیہ (طبقاتہ ص ۳۶۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۲۹ - الفزادی، احمد بن ابراہیم بن سباع، شرف الدین (۶۳۰ - ۷۰۵ھ) ص ۳۶۷
[اخو الفرکاح]

۹۳۰ - برہان الدین ابراہیم (م ۷۲۹ھ) [ولد الفرکاح] ص ۳۶۷

۹۳۱ - الفاروثی[1]، احمد بن ابراہیم بن عمر، ابوالعباس، عزالدین (م ۶۹۹ھ) ص ۳۶۸

۹۳۲ - الفارقی، عبداللہ بن مروان بن عبداللہ، ابومحمد، زین الدین
(م ۷۰۳ھ) ص ۳۶۸

۹۳۳ - احمد بن فرح بن احمد، ابوالعباس، اللخمی الاشبیلی (۶۲۵ - ۶۹۹ھ) ص ۳۶۸

۹۳۴ - الفاروثی، عبداللہ بن ابی الرضا، ابوبکر، نصیرالدین (م ۷۰۶ھ) ص ۳۶۹

---

[1] فاروث کی طرف نسبت ہے۔ واسط اور مذار کے مابین دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا گاؤں ہے جہاں بازار وغیرہ بھی لگتے ہیں (معجم ۴/ ۲۲۹)

ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۷۰ء کی مطبوعات		۱۹۷۱ء کی زیرطبع	
۱۔ تفسیر مظہری اردو۔ نویں جلد	۱۷/-	۱۔ تفسیر مظہری اردو دسویں جلد	زیرطبع
۲۔ حیات (مولانا) سید عبدالحیؒ	۱۱/-	۲۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج	ر
۳۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت	۹/-	۳۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان	ر
۴۔ مآثر و معارف	۱۰/-	۴۔ ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط	ر

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید احمد شہید اور ان کے دیوبندی رفقاء

(تاریخ دیوبند کے زیر تالیف جدید ایڈیشن کا ایک باب)

از سید محبوب رضوی

اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر

میں مغلوں کی قوت جس کی عظمت کا ڈنکا کابل اور قندھار سے راس کماری اور آسام تک ڈھائی سو برس تک بجتا رہا تھا، مضمحل ہو چکی تھی اور تمام صوبے ایک ایک کر کے مرکز سے الگ ہو گئے تھے۔ مغل بادشاہوں نے ہندوستان کے مختلف خطوں کو باہم جوڑ کر دو سو برس میں جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اس کی سیاسی عظمت اور برتری کا عَلَم سرنگوں ہو رہا تھا، سلطان ٹیپو نے اس کی رگوں میں ہر چند گرم خون دوڑانے کی کوشش کی مگر اس کو خود اپنوں کی غداری اور کوتاہ اندیشی نے موت کی نیند سلا دیا، غرض کہ اٹھارہویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے سلطنت مغلیہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی عظمت کا آفتاب غروب ہو کر انگریزی اقتدار کی صبح صادق نمودار ہو چکی تھی، انیسویں صدی کی پہلی دہائی میں تقریباً پورا ہندوستان انگریزوں کے زیر اقتدار آ چکا تھا، صرف شمال مغرب میں دریائے ستلج کے پار سکھوں کی حکومت باقی رہ گئی تھی، جس سے ۱۸۰۹ء میں انگریزوں نے اتحاد کا معاہدہ کیا ہوا تھا جو معاہدہ امرتسر کے نام سے موسوم ہے [۱]

---

[۱] تاریخ ہند۔ ہاشمی فرید آبادی ص ۲۰۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تھے ہندوستان کے سیاسی حالات، جن میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی عظیم تحریک عالم وجود میں آئی۔ عوامی سطح پر انگریزوں کے خلاف یہ پہلی تحریک تھی اس کا آغاز انیسویں صدی کی دوسری چوتھائی میں ہوا۔ اس تحریک کے قائد اپنے زمانہ کے مشہور بزرگ اور مجاہد حضرت سید احمد شہیدؒ تھے۔ اس تحریک میں شمال ومغرب اور مشرقی ہندوستان کے بہت سے مجاہدین کے ساتھ دیوبند کے بھی متعدد افراد شریک تھے، جن کا ذکر کرنا یہاں مقصود ہے۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جن لوگوں نے ملک کی بہترین خدمات انجام دی ہیں یہ حضرات ان کے ہراول دستے کی حیثیت رکھتے ہیں، ہماری ملی زندگی کو ہلاکت سے بچانے کے لیے یہ پہلا قدم تھا جو اٹھایا گیا، سید صاحب اور اون کے رفقار کی قوتِ عمل اور ایمان ویقین کی پختگی پر حیرت ہوتی ہے۔ مجاہدین کا ہر فرد اس نشے میں سرشار تھا اور اپنی اپنی بساط کے مطابق سرگرم عمل، سب ایک ہی دُھن میں لگے رہتے تھے، حوادثِ روزگار سے بے پرواہ ہو کر یہ لوگ جس کٹھن راہ پر گامزن ہوئے اس سے کبھی سرِمُو انحراف نہ کیا، مناسب ہوگا کہ ان افراد کے ذکر سے پہلے تحریک اور اس کے سربراہ کے حالات مختصر طور پر بیان کر دیے جائیں۔

سید احمد شہیدؒ سید احمد شہیدؒ مشرقی یو، پی میں رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ یہ اس خاندان کے چشم وچراغ تھے جو اپنے تقدس اور بزرگی کے لحاظ سے پورے ہندوستان میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ ان کے مورثِ اعلیٰ شاہ عَلَم اللہؒ کی خانقاہ تکیہ عَلَم اللہ کے نام سے مشہور تھی، جس کے فیوض کم وبیش سو سال سے اودھ کے تشنہ لبوں کو سیراب کر رہے تھے، اسی تکیہ شاہ عَلَم اللہ میں ۶ر صفر ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء کو سید صاحبؒ پیدا ہوئے، باپ کا سایہ بچپن میں سر سے اٹھ چکا تھا۔ نوجوانی میں روزگار کی تلاش میں لکھنؤ پہنچے، جو اس وقت اودھ کا دارالسلطنت تھا، لکھنؤ میں گوہر مقصود ہاتھ نہ آنے پر دہلی کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (وفات ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء) سے بیعت کر کے کمالات روحانی حاصل کیے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ دہلوی (۱۲۳۰ھ ۱۸۱۳ء) سے کچھ کتابیں پڑھیں، مگر جلد ہی

© rasailojaraid.com

ان کی سپاہیانہ طبیعت اور جذبہ خدمت دین نے کشاں کشاں ان کو نواب امیر خاں والی ٹونک سے وابستہ کر دیا۔[1]

---

[1] نواب امیر الدولہ امیر خاں کا تعلق صوبہ سرحد کے آزاد قبائل سے تھا۔ امیر خاں کا دادا محمد شاہ (۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء - ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء) کے عہد میں ہندوستان آیا۔ وہ اکثر روہیلکھنڈ کی لڑائیوں میں شریک رہا اور آخر میں دہیں سنبھل (مراد آباد) میں سکونت اختیار کر لی، اس کے بیٹے حیات خاں نے بھی آبائی پیشہ اختیار کیا۔ اس کے یہاں ۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء میں امیر خاں پیدا ہوا۔ نوجوانی میں چند رفیقوں کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا، اس زمانہ کے جاگیرداروں کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو عارضی طور پر فوج بھرتی کر لیتے تھے۔ امیر خاں نے راجستھان، گجرات اور دکن کے کئی مقامات میں عارضی ملازمت کی، من چلا آدمی تھا، روپیہ مل جاتا تو اپنے ساتھیوں کو نہال کر دیتا۔ رفتہ رفتہ اس کی قوت بڑھتی گئی اور ہندوستان کے سرداروں میں سب سے زیادہ طاقتور بن گیا۔ ایک زمانہ میں اندور کے مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ بھی رہا۔ مگر جب ہلکر نے انگریزوں سے صلح کر لی تو امیر خاں دربار اندور سے وابستہ ہو گیا، ایک موقع پر اس کے پاس چالیس ہزار جاں باز جمع ہو گئے تھے، ایک ہندو مصنف موہن سنہا مہتہ نے لکھا ہے کہ امیر خاں ایک لائق قائد اور بہادر سپاہی تھا، اس کی فوج بہت عمدہ تھی اور ہندوستان کی تمام ریاستی فوجوں میں ساز و سامان کے لحاظ سے بہترین فوج سمجھی جاتی تھی۔

(لارڈ ہیسٹنگز اور ہندوستانی مسلمان مصنفہ موہن سنہا مہتہ ص[illegible])

اتنی بڑی قوت کو انگریز وسط ہند میں آزاد چھوڑ دینے کے روادار نہ ہو سکتے تھے، مگر انہیں یہ حوصلہ بھی نہ تھا کہ امیر خاں سے کھلے میدان میں ٹکر لیں۔ اس لیے ریشہ دوانیوں کا جال بچھایا گیا، رفتہ رفتہ ساتھیوں کو توڑا گیا، یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء [illegible] میں نواب تنہا رہ گیا۔ انگریزوں نے ہر طرف سے پیش قدمی شروع کی، امیر خاں گھر گیا (باقی صفحہ [illegible] پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید صاحبؒ یہ نصب العین لے کر نواب امیر خاں کے پاس گئے تھے کہ اس کی عظیم الشان قوت سے وطن کی آزادی اور احیائے اسلام کا کام لیا جائے اور مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنایا جائے، اور جہاد فی سبیل اللہ کی اس روح کو از سرِ نو زندہ کیا جائے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا طغرائے امتیاز تھی، اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کو جو تیزی سے انگریزوں کے قبضے میں جا رہا تھا ان کی دست بُرد سے بچایا جائے۔ مگر جب ان کی یہ خوش آئند آرزو پوری نہ ہوئی اور نواب امیر خاں نے سید صاحبؒ کے سمجھانے اور روکنے کے باوجود انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تو سید صاحبؒ نواب امیر خاں سے علیحدہ ہو کر دہلی چلے گئے۔

ٹونک سے واپسی کے بعد سید صاحبؒ نے اپنے نصب العین کے لیے دوآبہ کا دورہ شروع کیا، جس میں عقائد و اعمال کی درستگی اور معاشرتی اصلاحات کے کام سے ابتدا کی گئی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ جہاد کی تیاری کے لیے جنگی تربیت دینے کا کام بھی شروع کر دیا گیا، مریدین کو ضبط و تحمل و جفاکشی اور سخت کوشی کا عادی بنایا گیا۔ دورے کے زمانہ میں رائے بریلی میں چند ماہ تک قیام رہا، اس کے متعلق سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ یہ زمانہ عجیب ذوق و شوق و لذت و حلاوت اور جفاکشی کا تھا، جو مہاجرین کے قیام مدینہ منورہ سے بہت مشابہ تھا۔ سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء میں ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور صاحب سلسلہ مشائخ بھی تھے۔ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے مشقت کا کام کرتے تھے، لکڑیاں چیرتے، گھاس چھیلتے، اینٹیں تھاپتے، مسجدیں تعمیر کرتے، فاقہ تک کرتے، مگر ہر حال میں خوش و خرم رہتے، ان میں اچھے اچھے عالی خاندان خوش حال امیر اور رئیس زادے بھی تھے، بہت نازک طبع اور ناز پروردہ نوجوان تھے، ان کے گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی، بعضوں کے سینکڑوں ہزاروں معتقد و مرید تھے، مگر گھر بار

(باقی ص۹۹ کا حاشیہ) اور اسے مجبور ہو کر انگریزوں سے صلح کرنی پڑی، معاہدہ کی رو سے صرف ریاست ٹونک کا اقتدار امیر خاں کے پاس باقی رہ گیا (سید احمد شہید ص۱۲۲-۱۲۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیش و آرام، مشیخت و مخدومیت سب کچھ چھوڑ کر اس در پر پڑے ہوئے تھے اور ہزاروں در سے خوش تھے، انہیں میں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ[1] بھی تھے۔ جن کے ہندوستان میں ہزارہا مرید تھے مگر وہ یہاں مخدوم سے خادم اور مراد سے مرید بنے ہوئے تھے، انہیں میں مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی مخدوم جہاں اور خاندان ولی اللہ کے چشم چراغ مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا محمد اسمٰعیلؒ بھی تھے۔

اس دورے سے قبل شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے تمام شاگردوں اور تمام اعزاء و اقارب کو ہدایت کردی تھی کہ سید صاحبؒ سے باقاعدہ بیعت کرکے کمالات روحانی سے استفاضہ کریں[2]

جیسا کہ ابھی اوپر گذر چکا ہے۔ سید صاحب کے مریدین میں بڑے بڑے علماء و مشائخ اور صاحب ثروت لوگ شامل تھے۔ یہ جماعت قافلہ کے نام سے موسوم تھی، قافلہ جہاں جاتا لوگ نہایت عقیدتمندی کے ساتھ پیش آتے اور دعوتیں کرتے تھے۔

---

[1] شاہ عبدالرحیم سہارنپوری (۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء - ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) سادات حسینی سے تھے، طریقۂ چشتیہ میں شاہ عبدالباریؒ امروہی (وفات ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء) سے بیعت تھے۔ بعد میں سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ سید صاحبؒ سے بیعت کرنے کے وقت خود ان کے ہزاروں مرید تھے میاں جی نور محمد جھنجھانوی (وفات ۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء) نے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (وفات ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء) کے پیر و مرشد تھے۔ شاہ عبدالرحیمؒ سے خلافت حاصل کی تھی، سفر جہاد میں سید صاحبؒ کے ہمرکاب تھے۔ ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) میں بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

مولانا محمد یوسف پھلتیؒ مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے حالات کی تفصیل کے لیے مہر صاحب کی کتاب جماعت مجاہدین ملاحظہ فرمایئے۔

[2] سیرت سید احمد شہید مصنفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۹ء ص ۹۵ ، ۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید صاحبؒ اصلاح و تربیت کے سلسلے میں جہاں جہاں گئے وہاں ان کے مریدین و معتقدین کا ایک حلقہ قائم ہوگیا اور عقائد و اعمال میں بڑی اصلاح ہوگئی، چنانچہ ڈیڑھ سو برس گذرنے کے باوجود اس کے اثرات آج تک ان مقامات میں پائے جاتے ہیں، جو لوگ جماعت مجاہدین میں شامل تھے۔ ان کو عقائد و اعمال کی معمولی لغزشیں بھی گوارہ نہ تھی، ایک موقع پر کسی مجاہد نے ایک گاؤں کے قیام میں کسی سے چھاچھ مانگ لی تھی تو جماعت کے قائد نے اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے صاف طور پر کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ رہنا ہے تو تمام ضابطوں کی پابندی لازم ہوگی، یہ منظور نہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔

جذبۂ اخوت کا یہ حال تھا کہ ہر شخص دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا تھا، بسا اوقات فاقوں کی نوبت آجاتی تھی تو جنگل کے پتے اور جڑی بوٹیاں ابال کر کھالیتے تھے مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ آتا۔ راہِ حق میں بڑی سے بڑی تکلیف کو خندہ پیشانی سے انگیز کر لیتے تھے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مجاہدین کے اعمال و کردار کو دیکھ کر قرنِ اوّل کے صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

۱۲۳۶ھ ۱۸۲۱ء میں سید صاحبؒ قافلے کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے، تقریباً سات سو افراد ہمراہ تھے۔ ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۳ء میں سفر حج سے واپسی ہوئی، وطن پہنچ کر وہ ہمہ تن جہاد کے سر و سامان میں مشغول ہوگئے۔ عام خیال یہ ہے کہ سید صاحبؒ کا جہاد سکھوں کے خلاف تھا، اس لیے کہ پنجاب میں سکھ حکومت مسلمانوں پر بہت ظلم کر رہی تھی، مگر درحقیقت جہاد کا اصل رخ انگریزوں کی جانب تھا، اس وقت ہندوستان میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جسے انگریزوں کے خلاف مرکز بنا کر جنگ کی جائے، اسی لیے آپ نے صوبہ سرحد کو منتخب کیا وہاں پہنچکر ان کو افغانستان اور بخارا وغیرہ کی حکومتوں سے امداد ملنے کی توقع تھی۔ چنانچہ ۱۲۴۱ھ ۱۸۲۶ء میں قافلے کے ساتھ وطن عزیز کو خیرباد کہا اور آزاد قبائل کا ارادہ کیا، پنجاب کے راستہ سے گذرنا مشکل تھا اس لیے راجستھان کا طویل راستہ تجویز کیا گیا، اس سفر کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب قافلہ گوالیار پہنچا تو مہاراجہ دولت راؤ سندھیا اور ریاست گوالیار کے وزیر راجہ چندو داؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بڑے اہتمام کے ساتھ قافلے کی دعوتیں کیں، مہارانی نے اصرار کیا کہ سید صاحبؒ اتنی مدت گوالیار میں قیام کریں کہ لشکر کے لیے پورا سازوسامان فراہم کیا جا سکے۔ مگر سید صاحبؒ نے معذرت کی [1]

گوالیار میں سید صاحبؒ نے ہمراہیوں کو باقاعدہ فوجی طریقے پر پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ اور ہر جماعت کا ایک مستقل سر عسکر بنایا گیا۔ قافلہ گوالیار سے روانہ ہو کر سندھ ہوتا ہوا قندھار اور کابل کے راستے سے صوبہ سرحد میں داخل ہوا، آزاد قبائل کے خوانین اور عوام کثرت سے سید صاحبؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے۔ صوبہ سرحد میں پہنچنے پر ۱۲ رجمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ ۱۸۲۶ء کو بالاتفاق سید صاحبؒ کے ہاتھ پر امامت وخلافت کی بیعت کی گئی۔

سید صاحبؒ نے وہاں مرکز قائم کر کے باقاعدہ حکومت کا اعلان کر دیا اور والئ کابل، سلطان ہرات، شاہ بخارا، رئیس قلات اور آزاد قبائل کے سرداروں کو امداد کے لیے خطوط لکھے، ان خطوط میں جہاد کی ضرورت کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا گیا تھا کہ جہاد کا مقصد ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانا ہے۔

اپنے اعمال وکردار کے لحاظ سے یہ مجاہدین کیا تھے؟ اس کا جواب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زبان سے سنیئے:۔

"یہ وہ بے نظیر جماعت تھی جس کی مثال اتنی بڑی تعداد میں اور اس جامعیت وکاملیت کے ساتھ خیر القرون کے بعد بہت کم ملتی ہے، ان کی صحیح اور محتاط تعریف یہ ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھے، یہ لوگ بلا مبالغہ عقائد، اعمال و اخلاق، توحید، اتباع سنت، شریعت کی پابندی، عبادت وتقویٰ، سادگی وتواضع، ایثار و خدمت خلق، غیرت دینی، شوق

---

[1] سید احمد شہیدؒ جلد اول ص ۲۰۸، ۲۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاد و شہادت صبر و استقامت میں مہاجرین و انصار کا نمونہ تھے۔[1]

اس جماعت کی صحبت سے جو لوگ تیار ہوئے تھے۔ ان کی نسبت ڈبلو، ڈبلو ہنٹر نے جسے انگریزی حکومت کی جانب سے مجاہدین کی سرگرمیوں کی تحقیقات کے لیے مقرر کیا گیا، اس شدید جذباتی عناد کے باوجود جو ہنٹر کو مجاہدین سے تھا ایک موقع پر مجاہدین کی بے لوث دینی خدمات اور ان کی روحانی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ہنٹر لکھتا ہے:۔

"جہاں تک میرا تجربہ ہے، یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ایک وہابی مبلغ سب سے زیادہ روحانیت رکھنے والا، سب سے کم خود غرض اور بے لوث ہوگا۔"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"میں وہابی اور غدار کو ہم معنی سمجھتا ہوں، یہ وہابی سب کے سب پیغمبر اسلام کے مذہب سے بدعات کو دور کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہیں۔"[2]

خود مجاہدین جہاد فی سبیل اللہ اور شوق شہادت کے جس نشے سے سرشار تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے، مجاہدین کی سب سے پہلی جنگ کے موقع پر ایک مجاہد عبد المجید خاں جہاں آبادی بیمار تھے، سید صاحبؒ نے لشکر ترتیب دیتے ہوئے ان کا نام خارج کر دیا۔ انہیں معلوم ہوا تو خود حاضر ہو کر عرض کیا کہ "آپ نے میرا نام کیوں نکال دیا"؟ سید صاحبؒ نے فرمایا "تم بیمار ہو"

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ ص ۳۲۵، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۹ء ۱۳۵۸ھ

[2] ہمارے ہندوستانی مسلمان مصنفہ W. W. HUNTOR ترجمہ اردو ڈاکٹر صادق حسین۔ شائع کردہ اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۴۴ء ۱۳۶۳ھ ص ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بولے کہ آج پہلا موقع ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد قائم ہو رہی ہے آپ مجھے ضرور شامل رکھیں۔ ان کے اصرار پر سید صاحبؒ نے اجازت دے دی۔[1] یہ معرکہ اکوڑہ میں پیش آیا تھا۔

چھاپے کے حملے میں ایک مجاہد نے جام شہادت نوش کیا، جب اس کے بھائی شیخ بلند بخت دیوبندی کو اس کی شہادت کی اطلاع ملی تو نہایت صبر و ضبط سے بولے "الحمد للہ! میرا بھائی جو مراد لے کر آیا تھا وہ پوری ہو گئی۔ ہم سب کو اللہ تعالے شہادت نصیب کرے"۔[2]

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہید میں لکھا ہے کہ:۔

"مجاہدین کا عجیب عالم تھا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے فرشتے زمین پر اتر آئے ہیں یا صحابہ کرامؓ، مہاجرین اولین و انصار کا دور پلٹ آیا ہے، معمولی سپاہی اور لشکری عباد الرحمٰن کا نمونہ تھا۔ تکبر، شان، خودی، ننگ و عار کا نام نہ تھا، ایک دوسرے کی خدمت کرتے، ہر کام میں للہ و فی اللہ شریک ہوتے، دوسرے کا ہاتھ بٹاتے، چکی پیستے، کھانا پکاتے لکڑی چیرتے، کپڑے دھوتے، گھاس چھیلتے، بیماروں کی خدمت کرتے، ان کا پیشاب پاخانہ اٹھاتے، پیر دباتے۔ زمین پر سوتے، پھٹے پرانے کپڑے پہنتے، فحش گوئی، بدزبانی، حسد، عداوت کوئی جانتا نہ تھا، جہاد نفس اور مجاہدۂ روحانی بھی عام خانقاہوں سے زیادہ ہوتا تھا اور ان تمام کاموں میں بڑے بڑے مخدوم اور امیر زادے شریک ہوتے تھے اور اپنی سعادت و عزت سمجھتے تھے"۔[3]

---

[1] سید احمد شہید جلد دوم ص ۳۵۱

[2] 〃 〃 〃 ۱۷۱

[3] سیرت سید احمد شہید ص ۱۷۴ و ۱۷۵

© rasailojaraid.com

۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں پنجاب کی سکھ حکومت سے مجاہدین کی معرکہ آرائیاں شروع ہوگئیں جن میں اکثر میں ان کو کامیابی ہوتی رہی۔ مجاہدین کی پہلی جنگ آکوڑہ میں ہوئی جس میں ۳۷ مجاہدین شہید اور ۳۵ زخمی ہوئے، ان کے مقابلے میں سکھ فوج کے ۷۰۰ سپاہی کام آئے[۱] پہلے ہی معرکہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سپہ سالار بدھ سنگھ کے پاؤں اکھڑ گئے، دوسری لڑائی حضرو کے مقام پر ہوئی، اس میں بھی مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی، چوتھی شیدو کے مقام پر ہوئی جس کے بعد سید صاحبؒ کو زہر دیا گیا، اس موقع پر سید صاحب ہلاک ہونے سے تو بچ گئے۔ مگر مجاہدین کو شروع میں جو کامیابی ہوئی وہ جلد ہی شکست میں بدل گئی، مجاہدین کا ساتواں حملہ پکھلی کی گڑھی پر ہوا، اس میں بھی وہ کامیاب رہے، اسی طرح مختلف مقامات پر ان کو فتح ہوتی رہی، یہاں تک کہ پشاور شہر پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا، پشاور صوبہ سرحد کا مرکزی مقام تھا، اب صوبہ سرحد کے بڑے حصے پر مجاہدین کا تسلط قائم ہوگیا۔ سلطان محمد خاں کو سید صاحبؒ نے پشاور کا حاکم مقرر کیا، شرعی احکام کا نفاذ کیا گیا، اور باضابطہ اعلان کر کے اسلامی نظام حکومت قائم کر دیا گیا، پولیس اور حکام مقرر کیے گئے، احتساب کا محکمہ قائم کیا گیا، اس کا ایسا اثر ہوا کہ کوسوں تک ڈھونڈے سے بھی بے نمازی نہ ملتا تھا۔[۲]

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ سید صاحبؒ کی اس عظیم تحریک کے دو مقصد تھے۔ پہلا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں شرک و بدعات کی راہ سے جو غیر شرعی رسم و رواج داخل ہوگئے تھے اور رفتہ رفتہ انھوں نے دینی حیثیت حاصل کر لی تھی ان کی بیخ کنی کر کے معاشرے کی اسلامی طور پر اصلاح و تربیت کی جائے۔ دوسرا مقصد ملک کو اغیار سے آزادی دلانا تھا، چنانچہ جب ایک وسیع علاقے پر ان کو سیاسی تصرف حاصل ہوگیا تو فوراً اس میں شرعی نظام قائم

---

[۱] سیرت سید احمد شہید ص ۴۴۷

[۲] سیرت " " ص ۱۷۰

© rasailojaraid.com

کر دیا گیا اور تمام معاملات کے فیصلے شرعی طور پر کیے جانے لگے۔ آزاد قبائل کے لوگوں نے سید صاحبؒ سے بیعت کرتے ہوئے یہ سمجھا تھا کہ سید صاحبؒ بھی اس زمانہ کے دوسرے اقتدار پسند لوگوں کی طرح اپنی حکومت ...... قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ غنیمت نظر آیا کہ سکھ حکومت کے مقابلہ میں جو آئے دن تاخت وتاراج کرتی رہتی تھی۔ سید صاحبؒ کے ساتھ رہ کر وہ سکھوں کے مظالم سے وہ محفوظ ہو جائیں گے، مگر ان کی خود سر اور جنگ جو طبیعتیں شرعی نظام کا تحمل نہ کر سکیں، ان کو بعض تصرفات سے دست کش ہونا پڑا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کی من مانی کارروائیوں کے تمام مواقع جدید نظام سے وابستہ رہنے میں ان کے ہاتھوں سے نہ صرف نکل گئے ہیں بلکہ جرائم کا ارتکاب کرنے والے بلا رو رعایت سزا کے مستحق قرار دیے جاتے ہیں اس لیے وہ جلد سید صاحب سے بیزار ہونے لگے۔ ان کی حیلہ جو طبیعتوں کے لیے قید وبند کا یہ بہانہ کافی تھا مگر علانیہ احکام اسلامی سے سرتابی کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔

مولانا غلام رسول مہر نے سید احمد شہید میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے درباری روزنامچہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب سید صاحبؒ صوبۂ سرحد میں پہونچے تو وہاں کے ایک سردار یار محمد خاں نے رنجیت سنگھ کے ساتھ ربط واتحاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سید صاحبؒ کو زہر دے دیا تھا اور اسی شخص کی غداری کی وجہ سے ایک مقام پر مجاہدین کو شکست اٹھانی پڑی تھی[1]۔ اہل سرحد کو اپنے گرد جمع کرنے میں سید صاحبؒ کی غیر معمولی کامیابی نے یار محمد خاں کو اگرچہ ارادت مندی پر آمادہ کر دیا تھا مگر اس نے جب دیکھا کہ سید صاحبؒ نے حاکمانہ حیثیت حاصل کر لی ہے تو اس کے دل میں وسوسے پیدا ہو گئے اور اس نے سکھوں کے ساتھ نامہ وپیام شروع کر دیا۔

پشاور پر مجاہدین کا قبضہ ہو جانے کے بعد پنجاب کی سکھ حکومت کے علاوہ انگریزوں کو بھی مجاہدین کے عزائم اور ان کی قوت کا احساس ہوا اور وہ خطرہ محسوس کرنے لگے۔ انگریزوں کی جانب

---

[1] سید احمد شہید جلد اول ۳۹۷ - ۳۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بڑی حکمت عملی کے ساتھ دینی سطح پر سید صاحبؒ اور جماعت مجاہدین کے خلاف ایک مہم شروع کی گئی، جماعت پر جو الزام لگائے گئے ان کا حاصل یہ تھا کہ سید صاحب بدعقیدہ ہیں، الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں، ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں ہے۔ اسلام سے انہیں کوئی تعلق نہیں، انکے عقائد عام مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ نفسانیت کے پیرو ہیں، ظلم و تعدی کے خوگر ہیں وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

بڑے شد و مد سے اس الزام کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔ آزاد قبائل کی خود سر اور جنگ جو طبیعتوں کے لیے اس الزام نے بغاوت کا راستہ صاف کردیا۔ سب سے پہلے سلطان محمد خاں نے بغاوت پر کمر باندھی یہ وہی شخص تھا جسے سید صاحبؒ نے اس کی درخواست پر پشاور کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے اچانک پشاور میں سید صاحب کے کارکنوں کو قتل کرادیا۔ اس سلسلے میں پہل مولوی مظہر علی عظیم آبادی سے کی گئی۔ جن کو سید صاحبؒ نے صوبہ سرحد کے پورے علاقہ کا قاضی مقرر کیا تھا، پھر ایک ایک کارکن کو نہایت بے دردی کے ساتھ ذبح کیا گیا۔

اس صورت حال کے بعد مجاہدین کے لیے ضروری ہوگیا کہ مرکز کو صوبۂ سرحد سے کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ چنانچہ سرحد کے چار سالہ قیام کے بعد بادل نخواستہ سید صاحبؒ مجاہدین کی جماعت کو لے کر وہاں سے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

سید صاحبؒ کے ایک فاضل سوانح نگار مولانا غلام رسول مہر نے اس موقع پر اپنے جگر خراش تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہیں:

افسوس کہ خود مسلمانوں کی کج اندیشی، غرض پرستی اور ناحق کوشی کے باعث ان امیدوں کی روشنی دیکھتے دیکھتے زائل ہوگئی اور ان کی جگہ اشک ہائے حسرت اور نالہ ہائے غم باقی رہ گئے، تین چار برس کی جانفشانیوں سے جو کام سرانجام پہنچے تھے وہ برباد ہو گئے۔ بہت سے غازی بے خبری کے عالم میں خاک و خون میں تڑپے، حکمرانی کے بعد مسلمانان ہند نے سب سے غیرت و حمیتِ حق کی جو بہترین اور عزیز ترین متاع بیع کی گئی تھی وہ یوسف زئی کے میدانی علاقے میں جا بجا لٹ گئی......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید صاحب اپنے چار سالہ مرکز کو چھوڑ کر کسی دوسری کارگاہ کی تلاش میں نکلنے پر مجبور ہوئے، ابھی کسی جگہ جم کر بیٹھنے نہیں پائے تھے کہ خلعتِ شہادت سے سرفرازی پاکر رفیقِ اعلیٰ سے جاملے[۱]۔

غرضیکہ جماعتِ مجاہدین صوبۂ سرحد سے روانہ ہو کر دشوار گذار راستوں کو طے کرتی ہوئی بالاکوٹ کے مقام پر پہنچی جو ضلع ہزارہ کا مشہور قصبہ ہے، یہاں پہنچنے پر برف باری شروع ہوگئی، راستہ مسدود ہوگیا، بالاکوٹ میں قیام کے لیے ایک ایسے میدان کا انتخاب کیا گیا جو چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، بالاکوٹ میں معلوم ہوا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ولی عہد شیر سنگھ مجاہدین کا راستہ روکنے کے لیے یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ڈیرے ڈالے ہوئے پڑا ہے۔ مگر جغرافیائی طور پر یہ میدان پہاڑوں سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ اس تک کسی بڑی فوج کے پہنچنے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ مئی کا مہینہ آگیا اور برف باری بند ہوگئی۔ چونکہ مجاہدین پر حملہ کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لیے شیر سنگھ مجبور ہو کر واپس ہونے والا تھا کہ کسی قبائلی غدار نے ایک مخفی راستے کی نشاندہی کی۔ مجاہدین بالکل بے خبر تھے کہ اچانک سکھ فوج ان کے سروں پر آپہنچ گئی۔ اور دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ ہر چند سید صاحبؒ مولانا محمد اسمٰعیلؒ اور دوسرے جانباز مجاہدین نے ہمت وجرأت کے جوہر دکھائے مگر سکھوں کا لشکر اتنا زیادہ تھا کہ سید صاحبؒ، مولانا محمد اسمٰعیلؒ اور سینکڑوں مجاہدین کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ بروز جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو تاریخ حریت کا یہ اندوہناک واقعہ پیش آیا[۲]۔

اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مجاہدین کی اس ناکامی کا حقیقی فائدہ سکھوں کے

---

[۱] سید احمد شہید جلد دوم ص ۲۹۰

[۲] ر ر ر ص ۲۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے انگریزوں کو پہنچا۔ سید صاحبؒ کی شہادت کے اٹھارہ سال بعد ۱۸۴۹ء، ۱۲۶۵ھ میں پنجاب سے سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ لارڈ ڈلہوزی نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مقبوضات کو کمپنی کی حکومت میں شامل کرلیا۔[۱]

جماعت مجاہدین کی للّٰہیت۔ خلوص۔ جوش جہاد، فداکاری، عزم وہمت اور اپنے مقصد کے حصول کی لگن کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سید صاحبؒ کی شہادت کے عظیم حادثہ کے باوجود مجاہدین کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں۔ ڈبلیو ہنٹر کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یہ تحریک کسی رہنما کی موت وحیات سے بالکل مستغنی ہوگئی تھی۔ خود سید صاحبؒ کی وفات کو بھی پرجوش حامیوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے ایک مقدس ذریعہ بنالیا تھا۔[۲]"

جو مجاہدین بچ گئے تھے انھوں نے اپنا نظم دوبارہ قائم کیا، سکھ حکومت تو چند ہی سال میں ختم ہوگئی تھی۔ مگر اس کے جانشین انگریزوں کے لیے یہ تحریک نصف صدی تک وبالِ جان بنی رہی۔ اس کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے۔[۳]

سید صاحبؒ کے دوآبہ کے دورے کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس سلسلہ میں سید صاحبؒ نے اپنے بابرکت قدوم سے دیوبند کی سرزمین کو بھی سرفراز فرمایا تھا، مولانا حکیم عبدالحئیؒ نے

---

۱ تاریخ ہند ہاشمی فرید آبادی ص ۳۹۸

۲ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۴

۳ جماعت مجاہدین کے تفصیلی حالات کے لیے مولانا غلام رسول مہر کی تصانیف جماعت مجاہدین اور سرگذشت مجاہدین سے مراجعت کی جائے۔

© rasailojaraid.com